Majallah-yi Talim o Tahqiq

مجلہ تعلیم و تحقیق

Markaz Talim o Tahqiq, Gulshan-e-Taleem, Sector H-15, Islamabad, Pakistan

مرکز تعلیم و تحقیق، گلشنِ تعلیم، ایچ۔۱۵، اسلام آباد، پاکستان

ISSN (P): 2618-1355, ISSN (Online): 2618-1363

Issue 1,Vol 7,January- March,2025

شمارہ ۱، جلد ۷، جنوری—مارچ، ۲۰۲۵

خواتین کے شرعی حقوق پر بعض اہم عدالتی نظائر کا تجزیہ

Women's Rights in Islamic Law: Analysis of Some Significant Precedents

ڈاکٹر سعدیہ تبسم[1]

Abstract:

Pakistan is an Islamic Republic and its Constitution mandates bringing all existing laws into conformity with the Injunctions of Islam as laid down in the Holy Qur'an and Sunnah. This onerous task cannot be performed by the legislature alone because it is the courts which have the power and authority to interpret laws. Therefore, the law also mandates adopting that interpretation which is in consonance with the Islamic Injunctions. However, very few judges use Islamic principles in their judgments. This is particularly true in cases involving the rights of women where more often than not the Western notions of human rights seem to influence the lawyers and the judges. Some judges, however, tried to change this trend and extensively used Islamic principles in their judgments. The present paper analyzes some judgments authored by Qazi Faez Isa, initially as Judge of the Supreme Court and later as Chief Justice of Pakistan. The paper concludes that the use of Islamic principles makes the judgments more sound, authentic and convincing, and that they not only protect the rights of women in a much better way, but also give greater acceptability to these judgments in our society. Islamic principles should, therefore, be made part of curriculum and training manuals for lawyers and judges so that they are better equipped to perform their religious, Constitutional and legal duty of interpreting laws in accordance with the Islamic Injunctions.

Key Words: Islamic Injunctions, interpretation, Women's rights

[1] اسسٹنٹ پروفیسر قانون، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد (sadia.tabassum@iiu.edu.pk) مقالہ نگار پروفیسر ڈاکٹر محمد مشتاق احمد کی شکر گزار ہے جنھوں نے بعض اہم نظائر تک رسائی میں مدد دی اور اس مقالے کے ابتدائی مسودے پر تنقیدی رائے بھی دی۔

تمہید

آئین کی رو سے پاکستان ایک اسلامی جمہوریہ ہے اور اس کا ریاستی مذہب اسلام ہے، نیز یہاں کے تمام قوانین کو قرآن و سنت میں مذکور اسلامی احکام کے ساتھ ہم آہنگ بنانا لازم ہے۔[2] پاکستان کے قانون نے عدالتوں پر یہ لازم کیا ہے کہ وہ تمام قوانین کی ایسی تعبیر اپنائیں جو اسلامی احکام کے ساتھ ہم آہنگ ہو۔[3] پاکستان کی سپریم کورٹ کے فل کورٹ بنچ نے کچھ عرصہ قبل ایک اہم مقدمے میں یہی اصول طے کیا ہے کہ اسلامی احکام سے ہم آہنگ تعبیر اپنانا لازم ہے۔[4] تاہم یہ امر افسوسناک ہے کہ ہماری عدالتوں کے فیصلوں میں اس اصول کو عام طور پر نظر انداز کیا جاتا رہا ہے اور چند ہی جج ایسے ہیں جنھوں نے شعوری طور پر باقاعدہ کوشش کی کہ وہ اپنے فیصلوں میں اسلامی اصولوں کو مدِّ نظر رکھیں اور قوانین کی ایسی تعبیر اختیار کریں جو اسلامی احکام سے ہم آہنگ ہو۔

خواتین کے حقوق کے معاملے میں بالخصوص ایک عام رجحان یہ نظر آتا ہے کہ ان کی تعبیر انسانی حقوق کے مغربی تصورات کو مدِّ نظر رکھ کر کی جائے۔ ایسا زیادہ تر لاشعوری طور پر ہوتا ہے، اور اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ وکلا اور ججوں کی تعلیم و تربیت کے نصاب میں اسلامی فقہی تراث اور اصولوں کو وہ مقام نہیں دیا گیا جو اس کا حق ہے۔ جسٹس قاضی فائز عیسیٰ اپنے فیصلوں میں چونکہ عام طور پر اسلامی اصولوں سے استدلال کرتے تھے، اس لیے اس مقالے میں خواتین کے حقوق کے متعلق ایسے چند فیصلوں کو تجزیہ پیش کیا جا رہا ہے تاکہ معلوم ہو کہ ان اصولوں کی روشنی میں خواتین کے حقوق کا تحفظ زیادہ بہتر طریقے پر کیا جا سکتا ہے۔[5]

تعدّدِ ازواج

پاکستان میں 1961ء سے رائج عائلی قوانین آرڈی نینس کی دفعہ 6 کے تحت یہ لازم کیا گیا ہے کہ اگر کوئی مرد پہلے سے شادی شدہ ہو اور وہ دوسری شادی کرنا چاہتا ہے، تو اسے پہلے 'ثالثی مجلس' (Arbitration Council) سے اجازت لینی ہوگی۔ اس مجلس میں ایک نمائندہ شوہر کی جانب سے اور ایک نمائندہ پہلے سے موجود بیوی کا ہوتا ہے اور یونین کونسل کا چیئرمین/ناظم اس کا سربراہ ہوتا ہے۔[6] یہ مجلس دیکھتی ہے کہ شوہر کو دوسری شادی کی اجازت دی جائے یا نہیں، اور اگر دی جائے، تو کن شرائط پر؟[7] اس طریقِ کار کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اگر کسی

---

[2] دیکھیے: آئینِ اسلامی جمہوریہ پاکستان 1973ء کی تمہید، دفعہ 1، دفعہ 2، دفعہ 2-اے اور دفعہ 227۔

[3] دیکھیے: قانونِ نفاذِ شریعت 1991ء کی دفعہ 4۔

[4] راجا عامر رضا بنام وفاقِ پاکستان، پی ایل جے 2024 سپریم کورٹ 114۔ یہ فیصلہ چیف جسٹس عیسیٰ نے لکھا جس سے 9 دیگر ججوں نے اتفاق کیا۔ 5 ججوں نے فیصلے کے بعض پہلوؤں سے اختلاف کیا، لیکن اس اصول سے انھوں نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ یوں گویا اس اصول پر سپریم کورٹ کے ججوں کا 'اجماع' ہو گیا ہے۔

[5] جسٹس عیسیٰ 5 اگست 2009ء سے 4 ستمبر 2014ء تک بلوچستان ہائی کورٹ کے چیف جسٹس رہے۔ اس کے بعد وہ سپریم کورٹ کے جج بنے۔ 17 ستمبر 2023ء سے 25 اکتوبر 2024ء تک وہ چیف جسٹس آف پاکستان کے منصب پر فرائض سرانجام دیتے رہے۔ اس مقالے میں ان کے صرف فیصلوں کا تجزیہ کیا جا رہا ہے جو انھوں نے سپریم کورٹ کے جج یا چیف جسٹس کے طور پر دیے۔

[6] ہمارے ہاں عام طور پر پہلی بیوی کی اجازت کی بات ہوتی ہے، جبکہ قانون نے ثالثی مجلس کی اجازت ضروری قرار دی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ثالثی مجلس کی اجازت سے مشروط کرنے کی وجہ یہ ہے کہ پہلی بیوی کے خدشات دور کیے جائیں اور اس کے حقوق کا تحفظ کیا جائے۔

[7] یہی اصول تیسری اور چوتھی شادی کے لیے بھی ہے۔ اگر کسی شخص کی پہلے سے دو بیویاں موجود ہوں اور تیسری شادی کرنا چاہے، یا تین بیویاں موجود ہوں اور وہ چوتھی شادی کرنا چاہے، تو ثالثی مجلس میں تمام بیویوں کا ایک ایک نمائندہ ہوتا ہے۔

شخص نے دوسری شادی کی، تو قانون اس شادی کو ناجائز نہیں کہتا، لیکن ایسے شخص کے لیے تعزیری سزا مقرر کرتا ہے۔[8] اس آرڈی نینس نے تنسیخِ نکاح کے قانون میں اسبابِ فسخِ نکاح میں ایک اور سبب کا اضافہ بھی کر دیا ہے۔ چنانچہ ثالثی مجلس کی اجازت کے بغیر نکاح کی صورت میں پہلی بیوی تنسیخِ نکاح کا دعوی دائر کر سکتی ہے۔[9] اس قانون پر مختلف پہلوؤں سے تنقید کی جاتی رہی ہے، لیکن وفاقی شرعی عدالت نے اسے اس بنیاد پر جائز قرار تھا کہ اس نے تعدّدِ ازواج کو ممنوع نہیں کیا، بلکہ اسے منضبط کر کے پہلی بیوی کے حقوق کے تحفظ کی کوشش کی ہے۔[10]

قانون کے اس مقصد کو مدِّ نظر رکھ کر سپریم کورٹ نے کئی اہم فیصلے کیے ہیں۔ انھی میں ایک مقدمہ اشتیاق احمد بنام ریاست[11] ہے جس میں ملزم کو اس بنا پر سزا سنائی گئی تھی کہ اس نے پہلی شادی چھپا کر دوسری شادی کی تھی۔ سپریم کورٹ میں مقدمہ آیا، تو جسٹس دوست محمد خان، جسٹس عیسیٰ اور جسٹس مقبول باقر پر مشتمل بنچ نے یہ سزا برقرار رکھی اور اس کی وجہ یہ بتائی:

> ''درخواست گزار مانتا ہے کہ وہ پہلے سے شادی شدہ تھا اور یہ کہ جب ثالثی مجلس سے اجازت حاصل کیے بغیر وہ دوسری شادی کر رہا تھا تو اس وقت پہلی بیوی سے اس کا ایک بچہ بھی تھا۔ یوں آرڈی نینس کی دفعہ 6(5)(بی) میں مذکور جرم کے عناصر ثابت شدہ ہیں۔''[12]

قانون کا مقصد واضح کرتے ہوئے جسٹس عیسیٰ نے لکھا:

> ''شوہر کا سابق شادی/شادیوں کا چھپانا یا بے حسی کے ساتھ اپنی بیوی کو دھتکار کر ایک اور شادی کرنا اللہ کی جانب سے لازم کردہ محبت، سکون اور رحمت کو برباد کر سکتا ہے۔''[13]

یہ وہی اصول ہے جس کی بنیاد پر شرعی عدالت نے قرار دیا تھا کہ یہ قانون اسلامی احکام سے متصادم نہیں ہے۔

بچی کی حضانت کا مسئلہ

خواتین کے حقوق کا ایک مسئلہ بچوں کی پرورش اور حضانت کا ہے۔ طلاق یا خلع کے بعد سب سے زیادہ نقصان اس تقسیم شدہ خاندان کے بچوں کا ہی ہوتا ہے۔ بارہا ایسا بھی ہوتا ہے کہ علیحدگی کے بعد ماں سے بچے بھی چھین لیے جاتے ہیں اور جو حق بچوں کے لیے اور ان کی ماں کے لیے شریعت نے مقرر کیا ہے، اس سے ان کو محروم کر دیا جاتا ہے۔ ایسے ہی ایک مقدمے میں عائلی عدالت سے معاملہ شروع ہوا اور پھر ہائی کورٹ تک پہنچا تو ہائی کورٹ نے بھی نابالغ بچی ماں کے حوالے کر دی۔ اس کے بعد معاملہ ختم ہو جانا چاہیے تھا۔ تاہم بچی کے والد نے ہائی کورٹ کے فیصلے کے

---

[8] پہلے اس فعل پر ایک سال کی قید اور 5 ہزار روپے کے جرمانے کی سزا تھی۔ 2015ء میں جرمانے میں کی مقدار بڑھا کر 5 لاکھ روپے کر دی گئی ہے۔ ناقدین یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح عملاً تعددِ ازواج کو بہت زیادہ مشکل کر دیا گیا ہے۔

[9] مسلم تنسیخِ نکاح کا قانون، 1939، دفعہ 2، ذیلی شق (iia)۔

[10] اللہ رکھا بنام وفاقِ پاکستان، پی ایل ڈی 2000 وفاقی شرعی عدالت 1۔ اس فیصلے کے خلاف اپیل سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بنچ میں 25 سال سے معلّق ہے۔

[11] اشتیاق احمد بنام ریاست، پی ایل ڈی 2017 سپریم کورٹ 187۔

[12] ایضاً۔

[13] ایضاً۔

خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کی اجازت کے لیے درخواست دائر کر دی۔[14] سپریم کورٹ میں اس درخواست کی سماعت جسٹس مشیر عالم اور جسٹس عیسیٰ پر مشتمل بنچ نے کی جس نے درخواست مسترد کرتے ہوئے درخواست گزار کو حکم دیا کہ:

''وہ فوراً اور پرامن طریقے سے نابالغ بچی (صائمہ) کو اس کی والدہ کے حوالے کر دے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے، تو محکمۂ سماجی فلاح کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ محکمے کی کسی خاتون اہلکار، اور اگر محکمے میں کوئی خاتون افسر نہ ہو، تو پولیس یا حکومت کی کسی اور خاتون اہلکار، کے ذریعے بچی صائمہ کی اس کی والدہ کو حوالگی یقینی بنائے۔''[15]

ایسے ہی ایک اور مقدمے جسٹس عیسیٰ نے اسلام میں ماں کے مرتبے پر بہت خوبصورت اسلوب میں سیدہ ہاجرہ اور سیدہ مریم رضی اللہ عنہما کی مثالیں ذکر کی ہیں جنھوں نے اپنے بچوں (سیدنا اسماعیل اور سیدنا عیسیٰ علیہما السلام) کے لیے بہت سی تکلیفیں اٹھائیں۔ اس کے بعد مومنوں کو غور و فکر کی دعوت دیتے ہوئے لکھا:

''مومنوں کو ان خواتین کی زندگی پر غور و فکر کر کے ان سے سبق سیکھنا چاہیے۔ مالیاتی طور پر کمزور ہونا، بچے کا بوجھ اٹھانا، بچے کو جنم دینا یا کسی معذوری کا ہونا کوئی ایسی چیز نہیں جس پر کسی کو عار دلائی جائے۔[16] کوئی ماں جب بچے کی پیدائش کی تکلیف اٹھاتی ہے، جو مشکل ترین فطری تکلیف ہے جو کوئی انسان اٹھاتا ہے، لیکن پھر اس کا بچہ اس سے اس بہانے پر چھین لیا جاتا ہے کہ وہ اپنے بچے کی دیکھ بھال نہیں کر سکتی، بے حسی کی انتہا ہے، اور اسے منافقت بھی کہا جا سکتا ہے۔''[17]

چونکہ ایسے مقدمات میں اکثر یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ عدالت تو فیصلہ دے دیتی ہے، لیکن مقامی سطح پر وہ فیصلہ نافذ نہیں ہوتا، اس لیے عدالت نے نہ صرف محکمۂ سماجی فلاح اور پولیس کو اس پر عملدرآمد کا حکم دیا، بلکہ یہ ہدایت بھی دی کہ اس فیصلے کی نقل ہائی کورٹ کے رجسٹرار کے ذریعے ضلعی عدلیہ تک پہنچائی جائیں۔

حقِ وراثت سے محرومی

خواتین کے حقوق کے تحفظ کے ضمن میں جو مسئلہ عدالتوں میں غالباً سب سے زیادہ آتا ہے، وہ وراثت سے ان کی محرومی کا ہے۔ قرآن کریم نے وراثت میں مقررہ حصوں کو فریضۃ من اللہ اور وراثت کے قانون کو حدود اللہ کہا ہے۔ اُصحاب الفروض ان ورثاء کو کہتے ہیں جن کے لیے قرآن و سنت نے وراثت میں حصے مقرر کیے ہیں۔ ان 12 ورثاء میں 8 مرد اور 4 خواتین ہیں۔ تاہم ہمارے معاشرے میں خواتین کو وراثت سے محروم کرنے کا برا رواج پایا جاتا ہے۔ بہت کم تعداد میں خواتین اپنے اس حق کے لیے عدالت کا رخ کرتی ہیں اور ان وہاں سے بھی جب ان کے حق

---

[14] آئین نے بعض حالات میں ہائی کورٹ کے فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کا حق دیا ہے (آئین کی دفعہ 185، ذیلی دفعہ 2)؛ جبکہ بعض حالات میں اپیل صرف اس وقت کی جا سکتی ہے جب پہلے سپریم کورٹ کو مطمئن کیا جائے کہ کوئی اہم آئینی و قانونی اصول ہائی کورٹ کے فیصلے میں نظر انداز کیا گیا ہے۔ اس مؤخر الذکر صورت میں اپیل کی اجازت میں دینا یا نہ دینا سپریم کورٹ کی مرضی پر موقوف ہوتا ہے۔ اسے ''اپیل کی اجازت کے لیے آئینی درخواست'' کہا جاتا ہے (دیکھیے آئین کی دفعہ 185، ذیلی دفعہ 3)۔

[15] میر بت خان بنام مسماۃ شیرین بی بی، 2019 ایس سی ایم آر 520۔

[16] اس مقدمے میں خاتون کو جسمانی عذر لاحق تھا اور ہائی کورٹ نے اپنے فیصلے میں بار بار اس کا ذکر کیا تھا، جس سپریم کورٹ نے گرفت بھی کی۔

[17] مسماۃ بینا بنام راج محمد، پی ایل ڈی 2020 سپریم کورٹ 508۔ یہ بنچ بھی جسٹس مشیر عالم اور جسٹس عیسیٰ پر مشتمل تھا اور فیصلہ جسٹس عیسیٰ نے لکھا۔

میں فیصلہ آجاتا ہے، تو پھر اس کے نفاذ میں کئی رکاوٹیں ہوتی ہیں۔ اس معاملے میں سماجی سطح پر بھی بہت محنت کی ضرورت ہے، لیکن عدالتی فیصلوں کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں ہے۔

ایسے ہی ایک مقدمے میں جسٹس عیسیٰ نے خواتین کے شرعی حقِ وراثت کے متعلق آئین کے کئی اصول ذکر کیے اور اس کے بعد لکھا:

> ''خواتین کو ان کے اس حقِ وراثت سے محروم کرنا جو انھیں شریعت نے دیا ہے، (آئین کے) ان اصولوں کی خلاف ورزی ہے۔ خواتین کو ان کے حقِ وراثت سے محروم کرنے سے ان کی اقتصادی آزادی کو بھی نقصان ہوتا ہے، ان کے معیارِ زندگی میں بہتری کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور صرف مرد ورثاء میں دولت کا ارتکاز ہوتا ہے جس سے تین مزید اصولوں کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ خواتین کی اقتصادی محرومی 'زندگی کے تمام شعبوں میں' ان کی شرکت روکتی ہے، یہ ایک اور اصول ہے جس کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔''[18]

خواتین کو میراث سے محروم کرنے کے لیے بسا اوقات دھوکا دہی سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ ایسے ہی ایک مقدمے تحسین اللہ بنام مسماۃ پروین میں معلوم ہوا کہ بہنوں کو جائیداد سے محروم کرنے کے لیے بھائی نے ہبہ کی جو دستاویز پیش کی تھی، وہ اسی تاریخ کی تھی جس دن ان کے والد کا انتقال ہوا تھا۔ مقدمے کے حقائق میں بعض دیگر امور بھی تھے جن سے اس دستاویز اور ہبہ کی حقیقت مشکوک ہو گئی تھی۔ ہائی کورٹ نے بہنوں کے حق میں فیصلہ کیا تھا، لیکن بھائی اس کے خلاف سپریم کورٹ تک آیا، جہاں جسٹس عیسیٰ اور جسٹس یحییٰ آفریدی پر مشتمل بنچ نے اس کی اپیل مسترد کرتے ہوئے اس پر مقدمے کا خرچہ بھی عائد کیا۔[19] ماتحت عدالت میں مقدمہ شروع ہوا، تو بالآخر سپریم کورٹ سے حتمی فیصلہ ہونے تک اڑتیس سال لگے اور اس دوران میں چار بہنوں کا انتقال بھی ہو چکا تھا اور صرف دو بہنیں زندہ تھیں، جبکہ جائیداد بدستور بھائی کے قبضے میں تھی۔ سپریم کورٹ نے ضلعی کلکٹر کو حکم دیا کہ تین مہینوں کے اندر قبضہ واگزار کر کے اسلامی شریعت کے احکام کے مطابق جائیداد کا انتقال بہنوں (اور ان کے ورثاء) کے نام کر دے۔ ایک اور ایسے مقدمے میں خاتون کو میراث سے محروم کرنے والے مرد رشتہ داروں پر سپریم کورٹ نے 10 لاکھ روپے خرچہ عائد کیا۔[20]

خواتین کی میراث سے محرومی کے سلسلے میں یہ بھی عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ خاندان کے مرد ان خواتین پر مختلف طریقوں سے دباؤ ڈال کر انھیں اپنا حق چھوڑنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ مرزا عابد بیگ بنام زاہد صابر کے مقدمے میں ایسا مسئلہ سامنے آیا، تو سپریم کورٹ نے یہ اہم اصول طے کیا کہ ''خاندان کی خواتین کا اپنا حق 'چھوڑ دینا' عوامی مصلحت کے علاوہ شریعت کے بھی خلاف ہے۔'' اس اصول کی بنیاد واضح کرتے ہوئے جسٹس عیسیٰ نے لکھا:

---

[18] غلام قاسم بنام مسماۃ رضیہ بیگم، پی ایل ڈی 2021 سپریم کورٹ 812۔ یہ فیصلہ جسٹس عیسیٰ نے لکھا۔ ان کے ساتھ بنچ میں جسٹس یحییٰ آفریدی تھے جنھوں نے ان سے اتفاق کیا۔

[19] تحسین اللہ بنام مسماۃ پروین، 2022 ایس سی ایم آر 346۔

[20] محمد ممتاز بنام سراج بی بی، 2024 ایس سی ایم آر 978۔ یہ بنچ چیف جسٹس عیسیٰ، جسٹس امین الدین خان اور جسٹس اطہر من اللہ پر مشتمل تھا اور فیصلہ چیف جسٹس عیسیٰ نے لکھا۔

''ہم یہ حقیقت نظرانداز نہیں کر سکتے کہ اکثر اوقات کسی خاندان کے مرد اپنی خواتین رشتہ داروں کو وراثت میں ان کے قانونی حق سے محروم کرتے ہیں، اور ایسا کرتے ہوئے شریعت اور قانون کی خلاف ورزی کی جاتی ہے۔ لاچار خواتین کو بعض اوقات وراثت میں ان کا حق اپنے مرد رشتہ داروں کے حق میں چھوڑ دینے پر مجبور بھی کیا جاتا ہے۔''[21]

فرحان اسلم بنام نزبہ شاہین کے مقدمے میں انھوں نے مزید واضح کیا:

''بظاہر ہبہ اور دیگر طریقے جن کے ذریعے خاندان کی خواتین کو، بشمول بیٹیوں اور بیواؤں کے، محروم کیا جاتا ہو قانون (اس معاملے میں شریعت)، آئین اور عوامی مصلحت کے خلاف ہیں۔''[22]

چنانچہ انھوں نے محکمۂ مال کے اہلکاروں کو حکم جاری کیا کہ:

''وہ ہوشیار رہیں جب بظاہر اموال ہبہ کیے جا رہے ہوں اور ان کے ذریعے بیٹیوں اور بیواؤں کو اس حق سے محروم کیا جا رہا ہو جو جائیداد کی وراثت میں ان کا حصہ ہوتا۔''[23]

مسماۃ پروین بنام محمد پرویز میں انھوں نے اس معاملے کا یہ پہلو بھی واضح کیا کہ ان غیر شرعی و غیر قانونی کاموں کی وجہ سے عدالتوں میں غیر ضروری مقدمات کی بھرمار ہو جاتی ہے:

''مرد ورثا کی جانب سے دھوکا دہی اور دیگر چالوں کے ذریعے خواتین کو ان کے حقِ وراثت سے محروم کرنے کا رواج جو پاکستان میں بہت زیادہ چل پڑا ہے، اس سے ہمیں شدید مایوسی ہوئی ہے۔ اس محرومی سے ان کا تو نقصان ہوتا ہی ہے جنھیں محروم کیا گیا، لیکن اس سے ملک کے عدالتی نظام پر بھی غیر ضروری بوجھ پڑتا ہے جس کے نتیجے میں وسائل کا بے جا ضیاع ہوتا ہے۔ ہر وہ دن جب کوئی مرد وارث کسی خاتون وارث کو محروم کرتا ہے ایک بدبختی ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے لازم کردہ حکم کی خلاف ورزی ہے۔''[24]

خواتین کو میراث سے محروم کرنے کی ایسی کوششوں پر جسٹس عیسیٰ نے بیش تر مقدمات میں متعلقہ فریق پر خرچہ عائد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔[25] اس وجہ سے ایسے مقدمات کی تعداد میں کمی کا رجحان نظر آنے لگا ہے جو ایک خوش آئند بات ہے۔

---

[21] مرزا عابد بیگ بنام زاہدہ صابر، 2020 ایس سی ایم آر 601۔ اس بنچ میں جسٹس عیسیٰ کے ساتھ دوسرے رکن جسٹس سردار طارق مسعود تھے۔

[22] فرحان اسلم بنام مسماۃ نزبہ شاہین، 2021 ایس سی ایم آر 179۔ اس بنچ میں جسٹس عیسیٰ کے ساتھ دوسرے جج جسٹس امین الدین خان تھے۔

[23] ایضاً۔

[24] مسماۃ پروین بنام محمد پرویز، 2022 ایس سی ایم آر 64۔ یہ بنچ جسٹس عیسیٰ اور جسٹس یحییٰ آفریدی پر مشتمل تھا۔

[25] مثال کے طور پر دیکھیے: محمد رفیق بنام مسماۃ زہراں مائی، 2023 ایس سی ایم آر 988؛ مسماۃ پروین بنام محمد پرویز، 2022 ایس سی ایم آر 64؛ غلام قاسم بنام مسماۃ رضیہ، پی ایل ڈی 2021 سپریم کورٹ 812۔

یتیم بچے اور بیوائیں

یتیموں اور بیواؤں کے حقوق کے مقدمات میں بھی سپریم کورٹ نے اسلامی اصولوں کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے بعض اہم فیصلے دیے ہیں۔ عطاء محمد بنام مسماۃ منیر سلطان کے مقدمے میں جسٹس عیسیٰ نے لکھا:

''موجودہ مقدمے میں پنجاب کے محکمۂ مال نے محصولات کے ریکارڈ میں غلط اندراج کیے، اوقاف اور مذہبی امور کا محکمہ یتامیٰ کے حقوق کے تحفظ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ کرنے میں ناکام رہا اور انسانی حقوق اور اقلیتوں کے امور کے محکمے نے لاچار خواتین (پانچ بیٹیوں/بہنوں) کے حقوق کا تحفظ نہیں کیا۔''[26]

مسلمانوں کو یتامیٰ کے متعلق شرعی احکام یاد دلاتے ہوئے انھوں نے مزید لکھا:

''جس سبب سے ہم یہ معاملہ اٹھا رہے ہیں یہ ہے کہ لازماً ایسے کئی دیگر مقدمات بھی ہوں جن میں بالخصوص معاشرے کے کمزور افراد (بیٹیاں اور بیوائیں، یتامیٰ) کے حقوق کا انکار کیا جاتا ہوگا، لیکن ان میں اتنی سکت نہیں ہوگی کہ وہ کسی عدالت تک پہنچ سکیں یا اگر وہ پہلے مرحلے پر ناکام ہوئے ہوں (جیسا کہ موجودہ مقدمے میں ہوا جب مسماۃ منیر سلطانہ کا دعوی خارج کیا گیا) تو وہ ہمت ہار بیٹھی ہوں، یا ان کا مقابل فریق بہت طاقتور ہو۔ مسلمانوں پر قرآن اور سنت میں دیے گئے خدا کے قانون کی پابندی لازم ہے جس نے 'یتامیٰ' (جن میں یتیموں کے علاوہ بیوائیں بھی شامل ہیں) کو خصوصی حیثیت دی ہے، یہ ایک فریضہ ہے جو ریاست پر عائد کیا گیا ہے۔''[27]

عام طور پر یتیم اس نابالغ بچے یا بچی کو کہا جاتا ہے جس کا باپ فوت ہو جائے۔ تاہم اس فیصلے میں لاچار خواتین، بالخصوص بیواؤں، پر بھی اس لفظ کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اس کے لیے لغت میں گنجائش ہے، جیسا کہ لسان العرب میں ہے کہ جس بچے کا باپ فوت ہو جائے، اسے بلوغت تک یتیم کہا جاتا ہے، لیکن بلوغت کے بعد اسے یتیم نہیں کہا جاتا؛[28] جبکہ باپ کے فوت ہونے کے بعد بچی خواہ بالغ ہو جائے، اسے یتیمہ کہا جاتا ہے:

وَقَالَ أَبو سَعِيدٍ: يُقَالُ لِلْمَرْأَةِ يَتِيمةٌ لَا يَزُولُ عَنْهَا اسمُ اليُتْمِ أَبداً۔[29]

''ابو سعید نے کہا: عورت کو یتیمہ کہا جاتا ہے اور اس سے یتیم کا نام کبھی زائل نہیں ہوتا۔''

اس کے بعد صاحبِ لسان نے وينْكِح الأَرامِل اليَتَامَى کے مصرع کی مثال بھی دی ہے۔ پھر ابو عبیدہ کا قول اپنی تائید کے ساتھ نقل کیا ہے:

تُدْعى يَتِيمَةً مَا لَمْ تَتزوج، فإِذا تَزوَّجت زَالَ عَنْهَا اسمُ اليُتْم۔[30]

---

[26] عطاء محمد بنام مسماۃ منیر سلطان، 2021 ایس سی ایم آر 73۔ یہ بنچ جسٹس عیسیٰ اور جسٹس امین الدین خان پر مشتمل تھا۔

[27] ایضاً۔

[28] مشرکین مکہ رسول اللہ ﷺ کو ''یتیم أبي طالب'' کہتے تھے، لیکن صاحب لسان العرب نے واضح کیا ہے کہ یہ لفظ کا مجازی استعمال تھا، نہ کہ حقیقی۔

[29] أبو الفضل جمال الدين محمد بن مكرم ابن منظور الإفريقي، لسان العرب (بیروت: دار صادر، 1414ھ)، ج12، ص646۔

[30] ایضاً۔

''اس وقت تک اسے یتیمہ کہا جاتا ہے جب تک وہ شادی نہ کرے؛ پھر جب وہ شادی کر لے، تو اس سے یتیم کا نام زائل ہو جاتا ہے۔''

اس کی تائید میں مفضل کا شعر بھی نقل کیا ہے:

أَفاطِمَ، إِني هالكٌ فتثَبَّتي

وَلَا تَجْزَعي، كلُّ النِّسَاءِ يَتيمُ

''اے فاطمہ! میں مرنے والا ہوں، پس تم مضبوط رہو اور گھبراؤ نہیں، ساری عورتیں یتیم ہیں۔''

پھر انھوں نے حدیث کی اس روایت کا بھی حوالہ دیا ہے جس میں آیا ہے کہ یتیمہ سے اس کے نکاح کے متعلق پوچھا جائے گا۔ یہاں بھی اس عورت کو جس کے بچپن میں اس کے والد کا انتقال ہوا تھا، بلوغت کے بعد بھی مجازاً یتیمہ کہا گیا ہے۔[31] اس کے بعد امام شعبی کی روایت ذکر کی ہے کہ ان کے پاس ایک عورت آئی جس نے کہا کہ میں یتیم ہوں، تو ان کے ساتھ ہنس پڑے۔ اس پر امام شعبی نے کہا:

النساءُ كلُّهنّ يَتَامَى؛ أَي ضَعائفُ۔[32]

''عورتیں سبھی یتیم ہیں''؛ یعنی کمزور ہیں۔

مہر اور ملکیت کا حق

شادی شدہ خاتون کے حقِ ملکیت پر سپریم کورٹ کے ایک اہم فیصلے کا تفصیلی تجزیہ میں نے ایک اور مقالے میں کیا تھا۔[33] اس سے صرف ایک اقتباس یہاں پیش کرنا مناسب ہوگا:

''اسلامی جمہوریۂ پاکستان کے آئین (دفعہ 227) نے یہ لازم کر کے کہ تمام موجودہ قوانین کو قرآن وسنت میں مذکور احکام سے ہم آہنگ ہوں، شریعت، بشمول ان حقوق کے جو اس نے خواتین کو دیے ہیں، کی خلاف ورزی کو ناقابلِ قبول قرار دیا ہے۔ اس لیے جب تک کوئی شادی شدہ خاتون خود اپنے مال کے ہبہ کرنے، فروخت کرنے یا کسی اور طریقے سے منتقل کرنے کا فیصلہ نہ کرے، اس کا شوہر یا کوئی اور رشتہ دار اس کا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔''[34]

---

[31] ایضاً، ص 647۔

[32] ایضاً۔

[33] ڈاکٹر سعدیہ تبسم وڈاکٹر محمد مشتاق احمد، ''شادی شدہ خاتون کا حقِ ملکیت: سپریم کورٹ کا ایک اہم فیصلہ''، مجلہ تعلیم و تحقیق، ج 3، ش 1 (2021ء)، ص 5-17۔

[34] فواد اسحاق بنام مسماۃ مہرین منصور، پی ایل ڈی 2020 سپریم کورٹ 269۔

انھوں نے واضح کیا کہ انگریزی قانون میں شادی کے بعد بیوی کی شخصیت کو شوہر کی شخصیت میں ضم شدہ فرض کیا جاتا تھا اور اس وجہ سے شوہر کے لیے بیوی کے مال پر تصرف کا حق مانا جاتا تھا،[35] لیکن شریعت نے عورت کو الگ ملکیت کا حق دیا ہے اور اسے شوہر سے الگ شخصیت دی ہے۔ اس لیے ججوں کو چاہیے کہ وہ اس انگریزی تصور سے جان چھڑائیں۔

خواتین کے خلاف بدکاری کا الزام

ایک نہایت سنجیدہ مسئلہ یہ ہے کہ عصمت دری کے مقدمات میں تفتیش کا معیار بہت ناقص ہوتا ہے جس کی وجہ سے مجرم کے خلاف شواہد اکٹھے کرنے میں ناکامی ہوتی ہے اور پھر عدالت میں جرم ثابت نہ ہونے پر وہ چھوٹ بھی جاتے ہیں۔ ایسے ہی ایک مقدمے جناب علی بنام ریاست[36] میں جسٹس عیسیٰ اور جسٹس یحییٰ آفریدی پر مشتمل سپریم کورٹ کے دو رکنی بنچ نے ہدایات جاری کیں کہ عصمت دری کے مقدمات کی تفتیش کے لیے صوبہ پنجاب کی تیار کردہ ضوابط کی پابندی کی جائے۔[37] فیصلے میں جسٹس عیسیٰ نے سورۃ النور کی آیت 24 کا حوالہ دیتے ہوئے خواتین کی عزت پر حملے کو نہایت سنگین معاملہ قرار دیا اور اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ پاکستان میں اگرچہ قذف کی سزا کا قانون موجود ہے، لیکن اسے عملاً غیر مؤثر بنا دیا گیا ہے۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ قذف کی سزا کے قانون میں ہی ایسے سقم موجود ہیں جن کی بنا پر یہ قانون عملاً غیر مؤثر ہے۔ مثلاً اس میں ان لوگوں کو قذف کی سزا سے مستثنیٰ کیا گیا ہے جو کسی پر زنا کا الزام 'نیک نیتی' سے یا 'عوامی مفاد' میں لگائیں۔[38] اس استثنا کے لیے شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے اور در حقیقت یہ استثنا انگریزی قانون میں 'ازالۂ حیثیتِ عرفی' (defamation) سے دی گئی استثنا سے لی گئی ہے۔[39] جب تک یہ استثنا موجود ہے، اس قانون کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

بسا اوقات یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ بیوی کو طلاق دیتے ہوئے طلاق نامے میں اس پر بدکاری کا الزام لگایا جاتا ہے یا بچوں کے نسب کا انکار کیا جاتا ہے۔ اس سنگین مسئلے کے سدِّ باب کے لیے سپریم کورٹ نے اسلامی شریعت کے احکام پر انحصار کرتے ہوئے قرار دیا تھا کہ شوہر کے سوا

---

[35] اس تصور کو coverture کہا جاتا ہے۔

[36] جناب علی بنام ریاست، 2022 ایس سی ایم آر 1323۔ کئی بار خواتین پر زنا کا جھوٹا الزام لگا کر انھیں نہ صرف رسوا کیا جاتا ہے، بلکہ انھیں قتل بھی کر دیا جاتا ہے اور ایسے 'غیرت کے نام پر قتل' کے معاملے میں خاندان، معاشرہ، یہاں تک کہ قانون نافذ کرنے والے ادارے بھی اپنے قانونی فرائض ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں۔ اس مسئلے پر جسٹس عیسیٰ کے ایک اہم فیصلے کے لیے دیکھیے: محمد عباس بنام ریاست، پی ایل ڈی 2020 سپریم کورٹ 620۔ بنچ میں ان کے ساتھ جسٹس سردار طارق مسعود تھے۔ اہم بات یہ ہے کہ اس فیصلے میں دو رکنی بنچ نے ایک تین رکنی بنچ کے فیصلے کی پابندی سے اس لیے انکار کیا ہے کہ اس بڑے بنچ نے فیصلے میں اسلامی اصولوں کو نظر انداز کیا تھا۔

[37] دیکھیے: Standard Operating Procedures (SOPs) for Investigation of Rape Cases: https://ppd.punjab.gov.pk/system/files/Police%20Prosecution%20Cooperation.pdf (Last visited 12 March 2025).

[38] جرمِ قذف (نفاذِ حدود) آرڈی نینس، 1979، دفعہ 3، پہلی اور دوسری استثنا۔

[39] جرمِ قذف آرڈی نینس 1979ء کی دفعہ 3 میں قذف کی تعریف ہی اصل میں مجموعۂ تعزیراتِ پاکستان 1860ء کی دفعہ 499 میں دی گئی ازالۂ حیثیتِ عرفی کی تعریف سے ماخوذ ہے۔ اس پر تنقید کے لیے دیکھیے: محمد مشتاق احمد، حدود قوانین: اسلامی نظریاتی کونسل کی عبوری رپورٹ کا تنقیدی جائزہ (مردان: مدرار العلوم، 2006ء)، ص 93-98۔

دیگر افراد انکارِ نسب نہیں کر سکتے اور یہ کہ شوہر بھی انکارِ نسب صرف مخصوص حالات میں اور پیدائش کی خبر ملنے کے فوراً بعد کر سکتا ہے، چنانچہ اگر اس نے پیدائش کی خبر ملنے پر خوشی کا اظہار کیا یا خاموش رہا، تو اس کے سالوں بعد وہ انکارِ نسب نہیں کر سکتا۔[40]

ایسا ہی مقدمہ سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بنچ کے سامنے آیا جس میں تیسری بچی کی پیدائش پر شوہر نے بیوی کو طلاق دی اور بچی کے نسب کا انکار کیا تھا۔[41] خاتون کے بھائی نے خاتون کی جانب سے قذف کا مقدمہ دائر کیا جس پر سیشن کی عدالت نے فیصلے سے گریز کرتے ہوئے 'اللہ پر معاملہ چھوڑ دیا'۔ اس کے خلاف خاتون کی اپیل پر وفاقی شرعی عدالت نے فیصلہ دیا کہ مرد قذف کا مرتکب ہوا ہے، لیکن گواہوں کا تزکیہ نہیں ہوا تھا، اس لیے اسے حد کے بجائے تعزیر کی سزا دی جائے۔[42] اس فیصلے کے خلاف مرد کی اپیل پر سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ نے قرار دیا کہ شوہر جب بیوی پر زنا کا الزام لگائے، تو یہ قذف کا معاملہ نہیں بنتا، بلکہ اس پر لعان کے احکام کا اطلاق ہوتا ہے۔[43] اس فیصلے کے خلاف خاتون نے شریعت اپیلیٹ بنچ میں نظرِ ثانی کی درخواست دائر کی جس نے اپنا پچھلا فیصلہ تبدیل کرتے ہوئے قرار دیا کہ لعان تو اس صورت میں ہوتا ہے جب میاں بیوی کا نکاح برقرار ہو جبکہ یہاں تو زنا کے الزام کے بعد شوہر نے بیوی کو طلاق دے دی تھی۔ بنچ نے مزید قرار دیا کہ طلاق دے چکنے کے بعد بھی مرد نے اس عورت پر زنا کا الزام بارہا دہرایا، اس لیے اس پر قذف کے احکام کا ہی اطلاق ہوتا تھا۔ نیز چونکہ اس نے یہ الزام وفاقی شرعی عدالت میں بھی دہرایا تھا، اس لیے اس کے لیے گواہی کی بھی ضرورت نہیں تھی، نہ ہی تزکیۃ الشہود ضروری تھا۔ چنانچہ اس شخص کو قذف کی حد کی سزا دینی چاہیے تھی، نہ کہ تعزیر کی۔ تاہم بنچ کے سامنے عورت کے وکیل نے کہا کہ اگر یہ شخص بچی کا نسب مان لے، تو ہم اس کے خلاف دعوی واپس لے لیں گے۔ اس پر بنچ نے بچی کو جائز النسب قرار دیتے ہوئے مقدمہ اس بنیاد پر ختم کر دیا کہ جس عورت کے خلاف قذف کا ارتکاب کیا گیا تھا، اس کی جانب سے دعوی واپس لینے کے بعد مجرم کو سزا نہیں دی جا سکتی۔[44]

غزالہ تحسین زہرا اور سعیدہ بیگم کے فیصلوں کے بعد امید کی جا سکتی ہے کہ خواتین پر بدکاری کے الزامات اور بچوں کے نسب سے انکار کا سلسلہ کسی حد تک رک جائے گا۔

لڑکیوں کی تعلیم

سنگوٹہ پبلک سکول سوات کا ایک مشہور سکول ہے جس میں اس وقت ایک ہزار سے زائد بچیاں تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔ دہشت گردی کے عفریت نے اس سکول کو بھی نقصان پہنچایا تھا اور نہ صرف اس پر حملہ ہوا تھا بلکہ پانچ سال تک اسے جبری طور پر بند بھی رکھا گیا۔ اس سکول کے متعلق ایک مقدمہ بالآخر جب سپریم کورٹ پہنچا، تو جسٹس عیسیٰ اور جسٹس یحییٰ آفریدی پر مشتمل دو رکنی بنچ نے اس کی سماعت کی۔ فیصلے میں یہ بات نوٹ کی گئی کہ "1970ء سے 2019ء تک کے عرصے میں پاکستان میں تعلیمی اداروں پر ایک ہزار سے زائد حملے ہوئے ہیں، جو دنیا بھر میں

---

[40] غزالہ تحسین زہرا بنام مہر غلام دستگیر خان، پی ایل ڈی 2015 سپریم کورٹ 327۔ یہ فیصلہ جسٹس جواد ایس خواجہ نے لکھا تھا۔ ان کے ساتھ دوسرے جج جسٹس سرمد جلال عثمانی تھے۔

[41] مسماۃ سعیدہ بیگم بنام ریاست، 2025 ایس سی پی 50۔

[42] یہ فیصلہ جسٹس ڈاکٹر فدا محمد خان نے لکھا تھا۔

[43] یہ فیصلہ جسٹس آصف سعید خان کھوسہ نے لکھا تھا۔

[44] یہ اہم فیصلہ جسٹس عیسیٰ، جسٹس نعیم اختر افغان، جسٹس شاہد بلال حسن، ڈاکٹر محمد خالد مسعود اور ڈاکٹر قبلہ ایاز پر مشتمل بنچ نے دیا۔ فیصلہ ڈاکٹر قبلہ ایاز نے لکھا جس سے بنچ کے باقی ارکان نے مکمل اتفاق کیا۔

تعلیمی اداروں پر ہونے والے حملوں کی سب سے بڑی تعداد ہے۔'' فیصلے میں تعلیم کے حوالے سے اسلامی احکام کا خصوصاً ذکر کرتے ہوئے جسٹس عیسیٰ نے لکھا:

''اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضرت محمد ﷺ کو، اور ان کے ذریعے انسانیت کو، جو پہلا حکم دیا گیا وہ اَقْرَأْ (پڑھ) کا تھا۔۔۔ پہلی وحی میں پھر آگے لکھنے کے آلے (اَلْقَلَم) اور تعلیم یا سکھانے (عَلَّمَ) کا ذکر آتا ہے۔ نہایت مہربان پروردگار پہلی وحی میں جن ہزاروں لاکھوں چیزوں میں کسی کا ذکر کر سکتے تھے، ان میں اپنی بے انتہا حکمت اور رحمت سے پڑھنے، لکھنے اور تعلیم کو بنیادی اہمیت کے لائق قرار دیا۔۔۔ تعلیم اور تعلّم پر تاکید اسلام کی امتیازی خصوصیات تھیں کیونکہ دیگر تہذیبوں کے مقابلے میں، جہاں تعلیم اور تعلّم یا تو کسی مخصوص طبقے تک یا معاشرے کے کسی خاص حصے تک محدود تھا، اسلام نے یہ حق سب کو بلا امتیاز دیا۔۔۔ نسل، رنگ، رتبہ، دولت اور جنس کو اسلام کے اصولِ مساوات نے سمو لیا۔''[45]

فیصلے میں انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے یہ اہم واقعہ بھی نقل کیا کہ غزوۂ بدر کے بعد غیر مسلم قیدیوں کو یہ حق دیا گیا کہ وہ دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا کر آزادی حاصل کر سکتے ہیں۔[46] اس کے علاوہ اس قول کا بھی ذکر کیا گیا ہے کہ علم حاصل کرو، خواہ اس کے لیے چین جانا پڑے۔ کئی لوگ اسے حدیث سمجھتے ہیں۔ تاہم محدثین اسے حدیث کے طور پر قبول نہیں کرتے۔[47]

نتائجِ بحث

خواتین کے حقوق کے متعلق سپریم کورٹ کے ان نظائر سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ہمارے معزز جج اپنے فیصلوں میں قرآن و سنت کی نصوص اور مسلمانوں کی عظیم فقہی روایت سے استدلال کریں، تو نہ صرف وہ خواتین کا حقوق کا بہتر تحفظ کر سکیں گے بلکہ ان کے فیصلے زیادہ مضبوط بنیادوں پر قائم ہس گے اور ان فیصلوں کو معاشرے میں قبولیت بھی حاصل ہو گی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی اصولوں سے استدلال کے طریقوں کو ججوں اور وکلا کی تربیت کا باقاعدہ حصہ بنایا جائے تاکہ فقہی تراث تک ان کی رسائی آسان بھی ہو اور وہ اسے فیصلوں کا حصہ بھی بنا سکیں۔ بطورِ مسلمان یہ ہم سب کی شرعی ذمہ داری بھی ہے اور یہ پاکستان کے آئین و قانون کا تقاضا بھی ہے۔

---

[45] پرنسپل پبلک سکول سنگوٹہ بنام سربلند، 2022 ایس سی ایم آر 189۔

[46] مقاتل بن سلیمان، تفسیر مقاتل (بیروت: دار إحیاء التراث العربي، 2003م)، ج2، ص129؛ أبو عبید القاسم بن سلام، کتاب الأموال (القاهرة: دار الهدي النبوي، 2007م)، ج1، ص308-309۔ رسول اللہ ﷺ کی اس سنت کو دو اور فیصلوں میں جسٹس عیسیٰ نے قیدیوں کو سماجی خدمت کے عوض مشروط رہائی کے لیے نظیر کے طور پر بھی استعمال کیا ہے۔ دیکھیے: غلام دستگیر بنام ریاست، پی ایل ڈی 2014 بلوچستان 100؛ اور عدیل رشید بنام ریاست، پی ایل ڈی 2022 سپریم کورٹ 795۔

[47] شمس الدین محمد بن عبد الرحمان السخاوي، المقاصد الحسنة في بیان کثیر من الأحادیث المشتهرة علی الألسنة (بیروت: دار الکتاب العربي، 1985م)، ص121۔